قراردادِ مقاصد، پاکستان کا اساسی دستور

نواب زادہ لیاقت علی خاں°

قیامِ پاکستان کے بعد پہلی دستور ساز اسمبلی نے ۱۲ مارچ ۱۹۴۹ء کو قرارداد مقاصد منظور کی۔ اس دستور ساز اسمبلی کے ارکان کی بڑی تعداد قائداعظم محمد علی جناح کے رفقاے کار پر مشتمل تھی، جب کہ وزیراعظم لیاقت علی خاں ان کے دستِ راست تھے۔ حالیہ برسوں میں پاکستان کا سیکولر اور مغرب زدہ طبقہ 'قرارداد مقاصد' کو مذموم مقاصد کے تحت تنقید کا نشانہ بنا رہا ہے۔ یہاں پر جناب لیاقت علی خاں کی وہ تقریر پیش کی جارہی ہے جس میں انھوں نے قراردادِ مقاصد کا مسودہ پیش کرتے ہوئے، اس کی وضاحت کی تھی۔ ساتھ ہی قائداعظم کے ساتھی مولانا شبیر احمد عثمانی مرحوم کا اس موقعے پر خطاب بھی پیش کیا جارہا ہے۔ (ادارہ)

صدرِ محترم، جناب والا!

میں حسب ذیل قرارداد مقاصد پیش کرتا ہوں۔ یہ قرارداد مقاصد ان خالص اصولوں پر مشتمل ہے، جن پر پاکستان کا دستور اساسی مبنی ہوگا:

جناب صدر مجلس، تحریک پیش ہے:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

چونکہ اللہ تبارک و تعالیٰ ہی کل کائنات کا بلا شرکت غیرے حاکم مطلق ہے، اور اسی نے جمہور کی وساطت سے مملکت پاکستان کو اختیارِ حکمرانی اپنی مقرر کردہ حدود کے اندر استعمال کرنے کے لیے نیابتاً عطا فرمایا ہے، اور چونکہ یہ اختیارِ حکمرانی ایک مقدس امانت ہے،

لہٰذا --

- جمہور پاکستان کی نمایندہ یہ مجلس دستور ساز فیصلہ کرتی ہے، کہ آزاد اور خودمختار مملکت پاکستان

° ۷ مارچ، ۱۹۴۹ء: قائد ایوان، وزیراعظم پاکستان کا پہلی دستور ساز اسمبلی میں خطاب، جب انھوں نے اسمبلی میں 'قراردادِ مقاصد' کا مسودہ پیش کیا۔

کے لیے ایک دستور مرتب کیا جائے۔

- جس کی رو سے مملکت تمام حقوق و اختیاراتِ حکمرانی، عوام کے منتخب کردہ نمایندوں کے ذریعے استعمال کرے۔
- جس میں اصول جمہوریت و حریت، مساوات و رواداری اور سماجی عدل کو، جس طرح اسلام نے ان کی تشریح کی ہے، پورے طور پر ملحوظ رکھا جائے۔
- جس کی رو سے مسلمانوں کو اس قابل بنایا جائے، کہ وہ انفرادی اور اجتماعی طور پر، اپنی زندگی کو اسلامی تعلیمات و مقتضیات کے مطابق جو قرآن مجید اور سنت رسول میں متعین ہیں، ترتیب دے سکیں۔
- جس کی رو سے اس امر کا قرار واقعی انتظام کیا جائے، کہ اقلیتیں آزادی کے ساتھ اپنے مذہبوں پر عقیدہ رکھ سکیں، اور ان پر عمل کر سکیں، اور اپنی ثقافتوں کو ترقی دے سکیں۔
- جس کی رو سے وہ علاقے جو اب پاکستان میں داخل ہیں یا شامل ہو گئے ہیں، اور ایسے دیگر علاقے جو آیندہ پاکستان میں داخل یا شامل ہو جائیں ایک وفاق بنائیں، جس کے ارکان مقرر کردہ حدود اربعہ و متعینہ اختیارات کے ماتحت خود مختار ہوں۔
- جس کی رو سے بنیادی حقوق کی ضمانت دی جائے، اور ان حقوق میں قانون و اخلاق عامہ کے ماتحت مساوات، حیثیت و مواقع، قانون کی نظر میں برابری، سماجی، اقتصادی اور سیاسی عدل، اظہار خیال، عقیدہ، دین، عبادت اور ارتباط [میل جول اور باہمی تعلق] کی آزادی شامل ہو۔
- جس کی رو سے اقلیتوں اور پس ماندہ و پست طبقوں کے جائز حقوق کے تحفظ کا قرار واقعی انتظام کیا جائے۔
- جس کی رو سے عدلیہ کی آزادی مکمل طور پر محفوظ ہو۔
- جس کی رو سے وفاق کے علاقوں کی حفاظت، اس کی آزادی اور اس کے جملہ حقوق کا جن میں اس کے بر و بحر اور فضا پر سیادت کے حقوق شامل ہیں، تحفظ کیا جائے۔

تاکہ ــــــ

اہل پاکستان فلاح اور خوش حالی کی زندگی بسر کرسکیں، اور اقوام عالم کی صف میں اپنا جائز اور ممتاز مقام حاصل کرسکیں، اور امن عالم کے قیام اور بنی نوع انسان کی فلاح و بہبود میں کماحقہ اضافہ کرسکیں۔

○

جناب والا، میں اس موقعے کو ملک کی زندگی میں بہت اہم سمجھتا ہوں۔ اہمیّت کے اعتبار سے صرف حصول آزادی کا واقعہ ہی اس سے بلند تر ہے، کیونکہ حصول آزادی سے ہی ہمیں اس بات کا موقع ملا، کہ ہم ایک مملکت کی تعمیر اور اس کے نظام سیاست کی تشکیل اپنے نصب العین کے مطابق کرسکیں۔ میں ایوان کو یاد دلانا چاہتا ہوں کہ بابائے قوم قائداعظم محمد علی جناح نے اس مسئلے کے متعلق اپنے خیالات کا متعدد موقعوں پر اظہار فرمایا تھا، اور قوم نے ان کے خیالات کی غیر مبہم (unmistakable) الفاظ میں تائید کی تھی۔

پاکستان اس لیے قائم کیا گیا ہے کہ اس برصغیر کے مسلمان اپنی زندگی کی تعمیر اسلامی تعلیمات اور روایات کے مطابق کرنا چاہتے تھے۔ اس لیے کہ وہ دنیا پر عملاً واضح کر دینا چاہتے تھے، کہ آج حیات انسانی کو جو طرح طرح کی بیماریاں لگ گئی ہیں، ان سب کے لیے صرف اسلام ہی اکسیر اعظم (panacea) کی حیثیت رکھتا ہے۔ ساری دنیا اس بات کو تسلیم کرتی ہے کہ ان برائیوں کا اصل سبب یہ ہے کہ انسان اپنی مادی ترقی کے ساتھ قدم نہ بڑھا سکا، اور انسانی دماغ نے سائنسی ایجادات کی شکل میں جو خود ساختہ بھوت (Frankenstein Monster) اپنے اوپر مسلط کرلیا ہے، اب اس سے نہ صرف انسانی معاشرے کے سارے نظام اور اس کے مادی ماحول کی تباہی کا خطرہ پیدا ہوگیا ہے، بلکہ اس مسکن خاکی کے بھی تباہ و برباد ہونے کا اندیشہ ہے، کہ جس پر انسان آباد ہے۔

یہ عام طور پر تسلیم کیا جاتا ہے: اگر انسان نے زندگی کی روحانی قدروں کو نظر انداز نہ کیا ہوتا، اور اگر اللہ تعالیٰ کے وجود پر اس کا ایمان کمزور نہ ہوگیا ہوتا، تو اس سائنسی ترقی سے خود اس کی ہستی ہرگز خطرے میں نہ پڑتی۔ یہ ایک طے شدہ حقیقت ہے کہ وجود باری تعالیٰ کا احساس ہی انسانیت کو تباہی سے بچا سکتا ہے۔ جس کا منشا یہ ہے کہ انسان کو جو قوتیں حاصل ہیں، ان سب کو

ایسے اخلاقی معیارات کے مطابق استعمال کرنا لازمی ہے، جو وحی الٰہی سے فیض یاب ہونے والے ان معلموں نے متعین کر دیے ہیں، جنھیں ہم مختلف مذاہب کے جلیل القدر پیغمبر مانتے ہیں۔ ہم پاکستانی ہوتے ہوئے اس بات پر شرمندہ نہیں ہیں، کہ ہماری غالب اکثریت مسلمان ہے، اور ہمارا اعتقاد ہے کہ ہم اپنے ایمان اور نصب العین پر قائم رہ کر ہی دنیا کے فوز و فلاح میں حقیقی اضافہ کر سکتے ہیں۔

جناب والا، آپ ملاحظہ فرمائیں گے کہ اس قرارداد کی تمہید میں صاف اور صریح الفاظ میں یہ تسلیم کیا گیا ہے، کہ تمام اختیار اور اقتدار کا ذات الٰہی کے تابع ہونا لازمی ہے۔ یہ بالکل درست ہے کہ یہ نظریہ مغربی حکیم میکیاولی کے خیالات کے بالکل برعکس ہے، جس کا تصور مملکت یہ ہے کہ:

spiritual and ethical values should play no part in the governance of the people

(نظام سیاست وحکومت میں روحانی اور اخلاقی قدروں کا دخل نہیں ہونا چاہیے۔)

اس لیے شاید اس بات کا خیال بھی رواج کے کسی قدر خلاف ہی سمجھا جاتا ہے کہ مملکت کے وجود کو خیر کا آلہ ہونا چاہیے، نہ کہ شر (evil) کا۔ لیکن ہم پاکستانیوں میں اتنی جرأتِ ایمان موجود ہے اور ہم یہ چاہتے ہیں کہ تمام (انسانی) اقتدار اسلام کے قائم کردہ معیارات کے مطابق استعمال کیا جائے، تاکہ اس کا غلط استعمال نہ ہو سکے۔ تمام تر اقتدار ایک مقدس امانت ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہمیں اس لیے تفویض (delegate) ہوا ہے، کہ ہم اسے بنی نوع انسان کی خدمت کے لیے استعمال کریں، تاکہ یہ امانت ظلم و تشدد اور خودغرضی کا آلہ نہ بن کر رہ جائے۔

بہرصورت میں یہ بتا دینا چاہتا ہوں، کہ اس سے ہماری ہرگز ہرگز مراد یہ نہیں ہے کہ ہم حکمرانوں اور بادشاہوں کے 'ظل الٰہی' (Divine Right of Kings) ہونے کے ازکار رفتہ نظریے کو پھر سے زندہ کریں۔ کیونکہ اسلامی جذبے کے تحت قرارداد کی تمہید میں اس حقیقت کو کلی طور پر تسلیم کیا گیا ہے، کہ اللہ تعالیٰ نے اختیارات سوائے عوام (people) کے کسی اور کو تفویض نہیں کیے۔ اور اس کا فیصلہ خود عوام ہی کو کرنا ہوگا، کہ یہ اقتدار کن لوگوں کے ذریعے استعمال کیا جائے گا۔

اسی لیے قرارداد میں یہ بات واضح کر دی گئی ہے کہ 'مملکت تمام حقوق، و اختیارات حکمرانی

کو عوام کے منتخب کردہ نمایندوں کے ذریعے استعمال کرے گی'۔ یہی جمہوریت کا نچوڑ (essence) ہے، کیونکہ عوام ہی کو ان اختیارات کے استعمال کا مجاز ٹھیرایا گیا ہے۔

میں نے ابھی یہ عرض کیا تھا کہ: 'اختیارات کے حقیقی حامل عوام ہیں'۔ چنانچہ اس راستے کو اختیار کرنے سے قدرتی طور پر 'تھیا کریسی' (Theocracy) کے قیام کا خدشہ جاتا رہتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ 'تھیا کریسی' کے لغوی معنی 'خدا کی حکومت' ہیں اور اس اعتبار سے تو پوری کائنات ہی 'تھیا کریسی' قرار پاتی ہے۔ کیونکہ اس پوری کائنات کا کون سا گوشہ ایسا ہے، جہاں اللہ تعالیٰ کو قدرت حاصل نہیں ہے؟ لیکن [علم سیاسیات کے] اصطلاحی معنوں میں تھیا کریسی 'برگزیدہ پادریوں کی حکومت' کو کہتے ہیں، جو محض اس بنا پر اختیار رکھتے ہوں کہ وہ ایسے اہل تقدس کی طرف سے خاص طور پر مقرر کیے گئے ہیں، جو اپنے مقام قدس کے اعتبار سے ان حقوق کے دعوے دار ہیں۔ اس کے برعکس میں اس امر پر جتنا بھی زیادہ زور دوں کم ہوگا، کہ اسلام میں اس تصور حکمرانی کی ہرگز کوئی گنجایش اور کوئی مقام نہیں ہے۔ اسلام، پاپائیت (Priesthood) یا کسی بھی حکومت مشائخ (Sacerdotal Authority) کو تسلیم نہیں کرتا۔ اس لیے اسلام میں 'تھیا کریسی' کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اگر کوئی شخص اب بھی پاکستان کے نظام حکومت کے ضمن میں 'تھیا کریسی' کا ذکر کرتا ہے، تو وہ یا کسی شدید غلط فہمی کا شکار ہے یا پھر دانستہ طور پر شرارت آمیزی سے ہمیں بدنام کرنا چاہتا ہے۔

جناب والا، اب میں آپ کی توجہ اس امر کی طرف مبذول کراتا ہوں، کہ قرارداد مقاصد میں جمہوریت، حریت، مساوات، رواداری، اور سماجی عدل کے اصولوں پر زور دیا گیا ہے۔ اس کی مزید صراحت یہ کی گئی ہے کہ دستور مملکت میں ان اصولوں کو اس تشریح کے مطابق ملحوظِ نظر رکھا جائے، جو وضاحت اسلام نے ان الفاظ کی بیان کی ہے۔ ان الفاظ کی صراحت کی ضرورت اس لیے پیش آئی کہ یہ (الفاظ) بالعموم مبہم طور پر استعمال کیے جاتے ہیں۔ مثال کے طور پر مغربی طاقتیں اور اشتراکی روس دونوں اس امر کا دعویٰ کرتے ہیں کہ 'ان کے نظام حکومت جمہوریت پر مبنی ہیں' --- لیکن ہر شخص یہ بات جانتا ہے کہ دونوں نظام کس قدر مختلف ہیں۔ اس لیے یہ ضروری سمجھا گیا ہے، کہ ان الفاظ کے مفہوم کا تعین کر دیا جائے، تاکہ ہر شخص کے ذہن میں ان کا واضح مفہوم آ جائے۔

جس وقت ہم 'جمہوریت' کا لفظ اس کے اسلامی مفہوم میں استعمال کرتے ہیں، تو اس کا

مطلب یہ ہوتا ہے، کہ جمہوریت ہماری زندگی کے تمام پہلوؤں پر حاوی ہے اور اس کا اطلاق جتنا ہمارے نظام حکومت پر ہے، اتنا ہی ہمارے معاشرے پر بھی ہے۔ کیونکہ اسلام نے دنیا کو جن عظیم الشان صفات سے مالا مال کیا ہے، ان میں سے ایک صفت عام انسانوں کی مساوات بھی ہے۔ اسلام، نسل، رنگ اور نسب کے امتیازات (discrimination) کو کبھی اور کسی سطح پر بھی تسلیم نہیں کرتا۔ اسلامی تواریخ کا یہ روشن باب ہے کہ انحطاط کے دور (decadence) میں بھی مسلم معاشرہ رنگ و نسل کے اُن تعصّبات سے نمایاں طور پر پاک رہا ہے، جنھوں نے دنیا کے دوسرے انسانوں کے باہمی تعلقات کو زہر آلود کر دیا تھا۔

اسی طرح ہماری اسلامی تہذیب میں رواداری (tolerance) کی روایات بھی عظیم الشان ہیں۔ تاریخ شاہد ہے کہ ازمنہ وسطیٰ میں اقلیتوں کو کسی نظام حکومت کے تحت وہ مراعات حاصل نہیں ہوئیں، جو مسلمان ملکوں میں انھیں حاصل تھیں۔ جس زمانے میں کلیسا (church) سے اختلاف رکھنے والے مسیحیوں اور مسلمانوں کو [ہولناک] اذیتیں دی جاتی تھیں، اور انھیں گھروں سے نکالا جاتا تھا اور پھر جب انھیں جانوروں کی طرح شکار کیا جاتا تھا اور مجرم قرار دے کر زندہ جلا دیا جاتا تھا، اُنھی دنوں اسلام ان سب [مظلوموں، زیردستوں اور مقہوروں] کا ضامن اور پناہ گاہ ثابت ہوا کرتا تھا، کہ جنھیں مظالم کا نشانہ بنایا جا رہا تھا، اور جو تنگ آ کر بھاگ نکلنے پر مجبُور ہوجاتے تھے۔ زندہ جلانے کا تو تصور تک اسلام میں کبھی نہیں آیا۔

تاریخ کا یہ مشہور واقعہ ہے کہ جب 'سامیوں سے نفرت' (anti-semitism) کے تحت بہت سے یہودیوں کو یورپ کے ممالک سے نکال دیا گیا، تو یہ سلطنت عثمانیہ تھی جس نے کھلے دل سے انھیں اپنے ہاں پناہ (shelter) دی تھی۔ مسلمانوں کی رواداری کا سب سے شان دار ثبوت یہ ہے کہ دنیا میں کوئی مسلم ملک ایسا نہیں جہاں اقلیتیں کافی تعداد میں موجود نہ ہوں، اور جہاں وہ اپنے مذہب اور ثقافت کو برقرار نہ رکھے ہوئے ہوں۔ سب سے زیادہ ہندستان کے اس برصغیر میں جہاں کبھی مسلمانوں کو لامحدود اختیارات حکمرانی حاصل تھے، غیر مسلموں کے حقوق کا پاس ولحاظ رکھا گیا اور ہمیشہ ان کا تحفظ کیا گیا۔

میں آپ کی توجہ اس حقیقت کی طرف بھی مبذول کرانا چاہتا ہوں، کہ مسلمانوں ہی کی

سرپرستی میں ہندستان کی بہت سی مقامی زبانوں کو ترقی اور فروغ حاصل ہوا۔ بنگال سے تعلق رکھنے والے میرے دوستوں کو یاد ہوگا کہ یہ صرف مسلمان حکمرانوں ہی کی حوصلہ افزائی کا نتیجہ تھا، کہ سب سے پہلے ہندوؤں کی مقدس کتابوں (scriptures) کا ترجمہ سنسکرت سے بنگالی میں کیا گیا۔ یہی وہ رواداری ہے جس کا تصور اسلام نے ہمیشہ پیش کیا ہے، اور جس میں اقلیتیں ذلت و رسوائی کی حالت میں نہیں رہتیں، بلکہ باعزت طریقے پر زندگی بسر کرتی ہیں۔ انھیں اپنے نظریات اور اپنی ثقافت کو فروغ دینے کے مواقع دیے جاتے ہیں، تاکہ وہ پوری قوم کی عظمت میں اضافہ کرسکیں۔

جہاں تک سماجی عدل (social justice) کا تعلق ہے، جناب محترم، میں یہ کہوں گا کہ اسلام اس میں شان دار اضافہ کرتا ہے۔ اسلام ایک ایسے معاشرے کے قیام کا حامی ہے، جس میں سماجی عدل کا تصور نہ تو بھیک اور خیرات پر مبنی ہے اور نہ ذات پات (اور رنگ و نسل) کی کسی تمیز پر موقوف ہے۔ اسلام جو سماجی عدل قائم کرنا چاہتا ہے، وہ ان بنیادی ضابطوں اور تصوارت پر مبنی ہے، جو انسان کی زندگی کو دوسروں کی محتاجی سے پاک رکھنے کے ضامن ہیں، اور جو آزادی و حریت کی دولت سے مالا مال ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ (قرارداد میں) جمہوریت، آزادی، مساوات، رواداری اور سماجی عدل کی ایسی تعریف کی گئی ہے، جس کی وجہ سے ہمارے خیال کے مطابق ان الفاظ کے عام معانی کی بہ نسبت زیادہ گہرے اور وسیع تر معانی پیدا ہوگئے ہیں۔

قرارداد مقاصد کی اس دفعہ کے بعد یہ درج ہے، کہ مسلمانوں کو اس قابل بنایا جائے کہ وہ انفرادی اور اجتماعی طور پر اپنی زندگی کو اسلامی تعلیمات کے مطابق جو قرآن مجید اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں متعین ہیں، ترتیب دے سکیں۔ یہ امر بالکل ظاہر ہے کہ اگر مسلمان کو اس قابل بنایا جائے کہ وہ اپنی زندگی دین اسلام کی تعلیمات کے مطابق بنالے، تو اس پر اصولی طور پر ہمارے کسی غیر مسلم بھائی کو کسی قسم کا اعتراض نہیں ہونا چاہیے۔

جناب والا، آپ اس امر کو بھی مدنظر رکھیں، کہ حکومت ایک غیر جانب دار تماشائی کی حیثیت سے اس بات پر اکتفا نہیں کرے گی، کہ مسلمانوں کو اس مملکت میں صرف اپنے دین (مذہب) کو ماننے اور اس پر عمل کرنے کی آزادی حاصل ہو۔ کیونکہ حکومت کے اس طرزِعمل سے ان مقاصد کی صریحاً خلاف ورزی ہوگی، جو مطالبہ پاکستان کے بنیادی محرک تھے۔ حالانکہ یہی

مقاصد تو اس مملکت کا سنگ بنیاد ہونے چاہییں، جسے ہم تعمیر کرنا چاہتے ہیں۔ یہ مملکت ایک ایسا ماحول پیدا کرے گی، جو ایک حقیقی اسلامی معاشرے کی تعمیر میں مدد و معاون ثابت ہوگا، جس کا مطلب یہ ہے کہ مملکت پاکستان کو اپنی کوشش و کاوش میں مثبت پہلو اختیار کرنا ہوگا۔

جناب والا، آپ کو یاد ہوگا کہ قائداعظم محمد علی جناح اور مسلم لیگ کے دوسرے مرکزی رہنماؤں نے ہمیشہ یہ بڑے واضح اور غیر مبہم اعلانات (uniquivocal declarations) کیے ہیں کہ: 'پاکستان کے قیام کے لیے مسلمانوں کا مطالبہ اس حقیقت پر مبنی ہے کہ مسلمانوں کے ہاں اپنے 'طریق زندگی اور ضابطہ اخلاق' (way of life and code of conduct) موجود ہیں'۔ انھوں نے بارہا اس امر پر بھی زور دیا ہے کہ اسلام کا مطلب صرف یہ نہیں ہے کہ اللہ اور بندے کے درمیان ایک ایسا نجی تعلق قائم ہو، جسے مملکت کے کاروبار (working of the state) میں کسی قسم کا دخل نہ ہو، بلکہ اس کے برعکس حقیقت یہ ہے کہ اسلام سماجی اخلاق کے متعلق معاشرے کے طرزِعمل کی رہنمائی کرتا ہے۔ اسلام محض ذاتی عقائد اور انفرادی اخلاق کا نام نہیں ہے، بلکہ وہ اپنے ماننے والوں سے توقع کرتا ہے کہ وہ ایک ایسے معاشرے کی تعمیر کریں، جس کا مقصد حیات صالح (good life) ہو۔ اہل یونان کے برعکس اسلام نے صالح زندگی کا جو تصور پیش کیا ہے، اس کی بنیاد لازمی طور پر روحانی قدروں پہ قائم ہے۔

ان اقدار کو اہمیت دینے اور انھیں نافذ کرنے کے لیے مملکت پر لازم ہو جاتا ہے کہ وہ مسلمانوں کی سرگرمیوں کی اس طریقے پر ہم نوائی کرے، کہ جس سے ایک ایسا نیا سماجی نظام (social order) قائم ہو جائے، جو اسلام کے بنیادی اصولوں پر مبنی ہو۔ ایک ایسا سماجی نظام کہ جس میں جمہوریت، حریت، رواداری اور سماجی عدل شامل ہیں۔ ان امور کا ذکر تو میں نے محض بطور مثال کیا ہے، کیونکہ وہ اسلامی تعلیمات جو قرآن مجید اور سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر مشتمل ہیں، محض اسی بات پر ختم نہیں ہو جاتیں۔ کوئی مسلمان ایسا نہیں ہوسکتا جس کا اس پر ایمان نہ ہو کہ کلام اللہ اور اسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی اس کے روحانی فیضان کے بنیادی سرچشمے ہیں۔ ان سرچشموں کے متعلق مسلمانوں میں کوئی اختلاف رائے نہیں ہے اور اسلام کا کوئی ایسا مکتب فکر نہیں، جو ان کے وجود کو تسلیم نہ کرتا ہو۔

لہٰذا، کسی بھی ایسے فرقے کو جو پاکستان میں اقلیت میں ہو، اس مملکت کی نیت (intention) کی طرف سے اپنے دل میں کوئی غلط فہمی نہیں رکھنی چاہیے۔ یہ مملکت ایک ایسا اسلامی معاشرہ پیدا کرنے کی کوشش کرے گی، جو باہمی تنازعات سے پاک ہو۔ لیکن اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ اعتقادات کے معاملے میں وہ مسلمانوں کے کسی مکتب فکر کی آزادی کو سلب کرے گی۔ کسی مکتب فکر کو خواہ وہ اکثریت میں ہو یا اقلیت میں، یہ اجازت نہیں ہوگی کہ دوسروں کو اپنا حکم قبول کرنے پر مجبور کرے، بلکہ اپنے اندرونی معاملات اور فرقہ وارانہ اعتقادات میں تمام فرقوں کے لیے وسعت خیال وعمل کا اہتمام ہوگا اور کامل آزادی کو یقینی بنایا جائے گا۔ درحقیقت ہمیں یہ امید ہے کہ مختلف مکاتب فکر اُس منشا کے مطابق عمل کریں گے، جو اس حدیث نبویؐ میں مذکور ہے: 'میری اُمت [کے لوگوں] میں اختلاف رائے ایک رحمت ہے'۔ اب یہ ہمارا کام ہے کہ ہم اپنے اس [فطری] اختلاف کو اسلام اور پاکستان کے لیے باعث استحکام بنائیں اور چھوٹے موٹے مفادات کے لیے کوئی ناجائز فائدہ نہ اٹھائیں، کیونکہ اس طرح پاکستان اور اسلام دونوں کمزور ہو جائیں گے۔ بسا اوقات اختلافات رائے ہم آہنگی اور ترقی کا ذریعہ بن جاتے ہیں، لیکن یہ صرف اسی وقت ہوسکتا ہے کہ جب رائے کے اختلافات میں اس امر کی اجازت نہ دی جائے کہ وہ ہمارے حقیقی نصب العین کو جو اسلام کی خدمت اور اس کے مقاصد کو ترقی دیتا ہے، اسے نظروں سے اوجھل کر دیں۔ پس ظاہر ہے کہ قرارداد میں اس دفعہ کا مقصد یہ ہے کہ مسلمانوں کو ایک ایسا سیاسی نظام قائم کرنے کی سہولت دی جائے، جس کی تجربہ گاہ (laboratory) میں وہ دنیا کو عمل کر کے دکھا سکیں، کہ اسلام دنیا میں نہ صرف ایک متحرک اور ترقی پسند طاقت ہے، بلکہ وہ ان گوناگوں خرابیوں کا علاج بھی مہیا کرتا ہے، جن میں آج نوع انسانی مبتلا ہے۔ کیونکہ مسلمانوں کو اپنی پستی اور محکومی کے طویل دور میں ہمیشہ اس قسم کے موقع کی تلاش رہی ہے۔

ایک اسلامی معاشرہ تعمیر کرنے کے مقصد میں ہم نے غیر مسلموں کے حقوق کو کبھی نظرانداز نہیں کیا۔ اگر ہم اقلیتوں کی آزادی میں مداخلت کرنے کی کوشش کرتے تو یہ ایک غیر اسلامی فعل ہوتا، اور ایسا کر کے ہم یقیناً اپنے دینی احکام کی خلاف ورزی کے مرتکب ہوتے۔ اقلیتوں کو اپنے اپنے مذہب پر چلنے، اس کی حفاظت کرنے یا اپنی ثقافت کو فروغ دینے سے کسی طرح روکا نہیں